© rasailojaraid.com

اعلیٰ سطحی جامعاتی تحقیق کا معیار...... لمحۂ فکریہ

(پی ایچ۔ ڈی کے مقالے "تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ" کے تناظر میں)

پروفیسر غازی علم الدین
میرپور، آزاد کشمیر

Abstract

Basic requirement of research at the university level is that it should be unprejudiced. Personal liking or dislilking should be set aside. One's personal point of view about anything must not be imposed and other's point of view must not be condemned for nothing. There should be a significant difference between research and debate. Research sould be based on logic and reference. Muhammad Deen Qasimi has critically reviewed Tafseer "Matalib-Ul-Furqan" by Ghulam Ahmed Pervaiz in order to get his Ph.D degree. But he seems to be impartial in his research. He has wrongly portrayed the personality and work of Ghulam Ahmed Pervaiz merely on sectarian basis.

In this article, objectionable research approach of Muhammad Deen Qasimi, his prejudice and faulty remarks about the Two Nation Theory and the Quaid-e-Azam have been highlighted.

آج ہر ذی شعور بالخصوص نسل نو دین اسلام کی من مانی تعبیر و تشریح، نظری و فکری انتشار اور مسلکی کلچر سے بیزار نظر آتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ برعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں بیسویں صدی عیسوی بہت ہنگامہ خیز رہی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب استعمار اپنی بقا کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ دو عالمی جنگوں کے نتیجے میں شکست و ریخت کے بعد وہ یہاں سے چلتا بنا لیکن جاتے جاتے برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کو کئی فتنوں اور صدمات سے دوچار کر گیا۔ مختلف مکاتیب فکر، مسلکوں اور مذہبوں نے جڑ پکڑی، جس کے نتیجے میں مسلم معاشرے کے اندر دین اسلام کی من مانی تعبیر، تعصب، نفرت اور تفرقے کا زہر گھول دیا گیا۔ دین کے نام پر قائم کیے گئے مدارس میں سے تحمل، بردباری، وسعت نظری اور تحقیقی رویے دم توڑتے چلے گئے۔ مساجد کے اندر مواعظ و خطبات نے تحقیقی انداز فکر کے بجائے مناظرانہ رنگ پکڑ لیا۔ تدریجاً تعصب اور تکفیری رویوں کو جلا ملی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی غالب اکثریت اس بدترین فریب کے جال میں پھنس گئی۔

افسوس کا مقام ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اعلیٰ سطحی تعلیمی اداروں، بالخصوص حکومتی سرپرستی میں قائم یونی ورسٹیوں میں تعصب کی حکمرانی رہی۔ معیار کی معراج، وسعت فکر و نظر، غیر جانب داری اور اعلیٰ ظرفی کے امتیاز کو برقرار نہ رکھ سکے۔ جامعات میں کیا جانے والا اعلیٰ سطحی تحقیقی کام اپنے معیار، استناد اور نتائج کے اعتبار سے افراط و تفریط کا شکار ہے۔ معارف اسلامیہ کے شعبے ہی کو لیجیے، پی ایچ۔ ڈی کی سطح کے بیشتر تحقیقی مقالات موضوعات کے انتخاب کے حوالے سے محل نظر ہیں۔ اصول تحقیق اور قواعد و ضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محض اپنے نقطۂ نظر، فکر، مسلک اور من پسند شخصیت کو اجاگر کیا جا رہا ہے۔ اپنے مخالف نقطۂ نظر، فکر، مسلک اور شخصیت کی تنقیص کی جا رہی ہے۔ میرے نزدیک تحقیق اور مناظرے میں تمیز اٹھ گئی ہے۔

اس تحریر کو اپنے قارئین تک پہنچانے کا محرک پچھلے چند ماہ سے راقم کے مطالعے میں رہنے والا دو ضخیم جلدوں میں، باریک کتابت میں لکھا ہوا A-4 سائز کے ۱۲۷۲ صفحات پر مشتمل پی ایچ۔ ڈی کا ایک مقالہ ہے۔ مقالے کا عنوان "تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ" ہے۔ مقالہ نگار جناب حافظ محمد دین قاسمی ہیں۔ مقالے کے نگران پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی مرحوم تھے۔ پنجاب یونی ورسٹی لاہور نے اس مقالہ کی تکمیل پر جناب حافظ محمد دین قاسمی کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور نے اس تحقیقی مقالے کو بغیر کسی تبدیلی کے تمام تر خصائص و نقائص کے ساتھ شائع کیا ہے۔ حافظ محمد ادریس ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی نے دو صفحوں پر مشتمل پیش لفظ کا اضافہ فرمایا ہے۔

تفسیر "مطالب الفرقان" جناب غلام احمد پرویز کی تخلیقی اور فکری کاوش ہے۔ مقالہ نگار حافظ محمد دین قاسمی نے جناب غلام احمد پرویز کے نظریات کا محاکمہ اور ابطال کیا ہے۔ راقم الحروف اپنی اس تحریر میں جناب غلام احمد پرویز کی شخصیت اور فکر کے بجائے محض مقالے کے معیار، اسلوب، پاکستان مخالف نظریات، کانگریس کی ہم نوائی، قائد اعظم دشمنی اور مقالے میں برتی جانے والی زبان پر بحث کرنا چاہتا ہے۔ راقم اپنے بارے میں پیدا ہونے والی کسی غلط فہمی سے بچنے کیلئے حدیث رسول ﷺ کی بابت اپنے عقیدے، نظریے اور فکر کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہے۔ راقم الحروف کا عقیدہ ہے کہ اگر ہم سنت اور حدیث (مستند اور صحیح ہو، قرآن کی روح اور متن کی نقیض نہ ہو) سے دست کش ہو جائیں تو دین اسلام کی بلند و بالا عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

جناب پرویز کے حدیث مخالف افکار کے جواب میں معاصر علماء نے اپنی طرف سے دین کی درست تعبیر و تشریح کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش کی اور پرویز کے فکر کے مقابل ایک توانا دینی ادب تخلیق ہوا۔ حافظ محمد دین قاسمی کی طرف سے جناب پرویز کی تفسیر مطالب القرآن کا علمی و تحقیقی جائزہ، اس دینی ادب میں ایک اضافہ ہے۔ مقالہ نگار نے پرویز صاحب کے افکار کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ اُسے اعتراف ہے کہ

> ''جناب پرویز کی عبارت کی دل کشی، اسلوبِ نگارش کی شگفتگی، الفاظ کی جاذبیت اور ادب کی چاشنی پر مشتمل ان کا لٹریچر اس (مصنف) کی آنکھوں کے لئے وجۂ جاذبیت اور قلب و دماغ کیلئے باعثِ مسحوریت بن گیا'' (ص ۲۳)

مقالہ نگار جناب پرویز سے یک گونہ متاثر ہوا لیکن تقابلی مطالعہ کے بعد اپنی رائے کو تبدیل کر لیا۔ جناب پرویز کی فکر کے رد کی بابت مقالہ نگار کی نیت، محنت اور جذبہ قابلِ قدر ہے۔ ان کا موقف بھی بہت حد تک درست ہے لیکن اس کام کو پرکھنے، جانچنے اور اس کے معیار کو متعین کرنے میں کسی نقاد اور تجزیہ کار کا پیمانہ عام قاری سے ہٹ کر ہوگا۔ مقالہ نگار کے کام، اسلوب اور ذہنی پرداخت کے حوالے سے فنی، تحقیقی، ادبی نظریاتی اور اخلاقی سطح پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہیں فاضل مقالہ نگار اسے کسی اور رنگ میں نہ لے لیں۔ ان کے کام میں محلِ نظر مقامات کی ایک طویل فہرست متقی ہے جس کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیے لیکن یہاں مشتے از خروارے کے طور پر چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مصنف کا دعویٰ ہے کہ حکومت پاکستان جناب پرویز کے نظریات کی سرپرستی کرتی رہی اور سرکاری سطح پر فکرِ پرویز کی اشاعت ہوتی رہی۔ پیش لفظ میں حافظ محمد ادریس (ڈائریکٹر ادارہ) نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے:

> ''انگریزوں نے اپنے جانے کے بعد مسلمان ملکوں میں اپنے فکری شاگردوں کو مسلط کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا، اس کے مطابق پاکستان میں بھی، آزادی کے بعد، گورے انگریزوں کی جگہ کالے انگریزوں کی حکومت رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام سے منحرف ہر کردار کو حکومتی سرپرستی حاصل ہوتی چلی گئی، تاکہ وہ اہلِ حق کے مقابلے پر حکومت کی ہاں میں ہاں ملائے اور اسے فکری و نظری معاونت فراہم کرتا رہے۔ اس کے بدلے میں حکومتوں نے ان فتنہ پرداز عناصر کی بھرپور سرپرستی کی۔ غلام احمد پرویز کی مسموم فکر سرکاری سرپرستی و وسائل ہی کی بدولت امت کے اندر سرایت کرتی رہی۔ ہر روشن خیال حکمران کو پرویز کی نظریات اپنی سوچ اور مفادات کے قریب تر نظر آئے اور انھوں نے بھی کبھی بلند آہنگ انداز میں اور کبھی دھیمے سروں میں اس فتنے کی آبیاری کی'' (ص ۲۱)

ان ہر دو فاضلوں کو اپنے دعویٰ میں کوئی تو ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا کہ کیا کسی حکومت نے جناب پرویز کے لٹریچر کو سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر نصاب کا حصہ بنایا؟ الیکٹرانک میڈیا پر فکرِ پرویز کی تشہیر کی گئی؟ یا سرکاری پرنٹ میڈیا فکرِ پرویز کا ترجمان رہا ہے؟ مذکورہ اقتباس میں بیان کی گئی سوچ کے اس انداز میں حقیقت کے بجائے بدگمانی اور تعصب غالب ہے۔ زبان اور لب و لہجہ بھی تحقیقی آداب کے منافی ہے۔ کالے انگریزوں ..... فتنہ پرداز عناصر ..... مسموم فکر اور روشن خیال حکمران ..... جیسی تراکیب اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصطلاحات کسی محقق کی زبان اور قلم کو زیب نہیں دیتیں۔

بات اگر پیش لفظ ہی سے شروع کی جائے تو کسی بھی نقاد، تجزیہ نگار اور محقق کو جناب حافظ محمد ادریس (پیش لفظ نگار) کا یہ جملہ علمی اور متوازن سطح کا محسوس نہیں ہوگا۔

"......مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اس (پرویز) نے بھی کئی پینترے بدلے۔ اس نے کئی جنم لیے اور ہر جنم کے ساتھ اس کی کینچلی تبدیل ہوتی چلی گئی" (ص ۲۱)

تحقیقی بیان میں یہ لب و لہجہ غیر علمی اور اعتدال سے ہٹ کر ہوتا ہے اور پھر فاضل پیش لفظ نگار کی اپنی تحریر کے ذریعے نامناسب محاورے کے استعمال سے ایک باطل نظریے (ایک سے زیادہ جنم کا اعتقاد) کا پرچار ہو رہا ہے۔ پیش لفظ نگار کا حافظ محمد دین قاسمی (مقالہ نگار) کو "عظیم سکالر" (ص ۲۲) کہنا جہاں غلو کی حدوں کو چھونے کے مترادف ہے وہاں علمی انکسار کے بھی منافی ہے۔

تحریک آزادی کے حوالے سے مقالہ نگار کا موقف، رائے اور واقعاتی احصاء بھی محل نظر ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ اور تحریک آزادی کے بارے میں مقالہ نگار کا اپنا مطالعہ سطحی ہے۔ جناب مقالہ نگار کی کئی واقعات کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکی۔ سرسید احمد خان کے بارے میں ان کی یک طرفہ رائے تحقیقی رویے کے منافی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سرسید احمد خان کے اجتہادی فکر سے کھل کر اختلاف رائے کیا جاتا رہا ہے۔ قرآنی مسائل کے حوالے سے ان کی بعض تاویلات مسلم اُمہ کے لئے قابل قبول نہیں رہی ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں کافر یا مرتد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمانوں کے لئے ان کی دینی، سیاسی، اصلاحی اور تعلیمی خدمات ایک اٹل حقیقت ہیں۔ مقالہ نگار کا علی گڑھ کی تعلیمی تحریک کے خلاف یک طرفہ طور پر فتویٰ بے جا ہے۔ سرسید وہی مرد دانا ہے جس کے بنائے ہوئے تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے والوں کے ماں باپ کے نکاح ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان اداروں سے فاضل مقالہ نگار جیسے لوگ پڑھ کر نکلے اور آج اپنا کماتے کھاتے ہیں، الحمدللہ دین دار بھی ہیں اور مدارس کی خدمت بھی کرتے ہیں۔

جناب مقالہ نگار نے بین السطور جمعیت علماء ہند کے کانگریس کی ہم نوائی کے موقف کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوقومی نظریہ، مسلم لیگ، تحریک پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کے حوالے سے ان کی سوچ اور رائے پہلے سے طے شدہ ہے۔ اس بابت ان کے تعصب کا اظہار تحقیقی اسلوب اور رویے کے منافی ہے۔ اسلام کے بارے میں قائداعظم کے مطالعے اور معلومات کو بغیر کسی پیرامیٹر کے متعصبانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ قائداعظم کے مطالعہ اور فقہی علم کے بارے میں مقالہ نگار کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر قائداعظم کا اسلام کے بارے میں مطالعہ سطحی ہوتا تو وہ دوقومی نظریے پر زور نہ دیتے۔ قانون وقف علی الاولاد کا مقدمہ نہ جیتتے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ مسلمانوں کے پرسنل لاء کے عالم تھے۔ وہ عملاً کسی بھی فرقے سے وابستہ نہیں تھے۔ اثنا عشری مسلک کے بجائے ان کا رجحان مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر کئی علماء اور مشائخ کی طرف تھا۔ ان کی نماز جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی۔ کسی بھی فرقے (بشمول اثنا عشری) نے اعتراض نہیں کیا تھا کہ اہل السنت والجماعت کے عالم دین نے نماز جنازہ کیوں پڑھائی۔ قائداعظم محمد علی جناح کا ذکر کرتے ہوئے مقالہ نگار کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لب و لہجے سے تضحیک جھلکتی محسوس ہوتی ہے۔ ”قائد اعظم اور پرویز..... باہمی تعلقات“ کے عنوان سے ساری بحث (ص ۸۷ تا ۹۰) تعارض و تناقض کا شکار ہے۔ ان کی تحقیق کے بعض حصے بعض کے نقیض ہیں۔ مثال ملاحظہ کیجیے:

> ”قائد اعظم اگرچہ پاکستان کو اسلامی مملکت بنانا چاہتے تھے لیکن اسلام کے متعلق ان کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر تھا“ (ص ۸۷)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

> ”البتہ انگریزی زبان کو وہ خوب سمجھتے، جانتے، بولتے اور لکھتے تھے۔ قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کا جو مطالعہ انھوں نے کیا تھا وہ اسی زبان کے ذریعے کیا تھا“ (ص ۸۷)

یعنی اسلام کے بارے میں قائد اعظم کے مطالعہ کی نفی بھی کرتے ہیں اور انھیں یہ بھی اقرار ہے کہ قائد اعظم نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ مقالہ نگار کی سوچ سے تحریک پاکستان، قائد اعظم اور دو قومی نظریہ کے بارے میں ان کا ذہنی انتشار اور تعصب کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ”اسلام کی بنیاد پر تحریک پاکستان کو مؤثر حیثیت دینے کے لئے اور پبلک کا سامنا کرنے کیلئے ضروری تھا کہ نہ صرف اسلام کا نام لیا جائے بلکہ اس کے بارے میں کچھ معلومات بھی بہم پہنچائی جائیں“ (ص ۸۷)

مقالہ نگار کی علمی خیانت ان کے پورے تحقیقی منصوبے کی وقعت کو صفر کر دیتی ہے۔ تحریک آزادی اور قائد اعظم پر گراں قدر لٹریچر تخلیق ہو چکا ہے۔ قائد اعظم کی ذاتی اور سیاسی زندگی پر درجنوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انگریز حتیٰ کہ ہندو مصنفین نے بھی ان کی سیاست، دیانت، فراست اور اعلیٰ کردار کو دل کھول کر سراہا ہے۔ لیکن مجال ہے کہ مصنف نے ان میں سے کسی کتاب کا حوالہ دیا ہو۔ حوالہ کیسے دے سکتے ہیں کہ اس بابت ان کا دامن مطالعہ تو بالکل تہی ہے۔ انھوں نے تو اپنا تعصب، نفرت اور ذہنی انتشار صفحۂ قرطاس پر انڈیل دیا ہے۔ مقالہ نگار کے علم میں ہونا چاہیے کہ تحریک آزادی، مسلم لیگ اور قائد اعظم پر مشتمل برسوں کا تاریخی ریکارڈ تقریباً ستر ہزار صفحات کی تعداد میں اپنی اصل حالت میں نیشنل آرکائیو اسلام آباد میں محفوظ ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں تاریخ کے اساتذہ و طلبہ، محققین اور مصنفین اس ریکارڈ سے استفادہ کر چکے ہیں۔ قائد اعظم اور مسلم لیگ کے حوالے سے اب کوئی بات اخفاء میں نہیں رہی۔ خود ساختہ تعصبات کو پالنے اور پھیلانے سے بہتر ہے کہ اپنے مطالعہ کو وسعت دے کر حق بات تک رسائی حاصل کی جائے۔

تحقیق کی زبان اور اسلوب سراسر علمی ہوتا ہے۔ اس میں کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر کے حقیقت تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ مناظرہ تحقیق کی ضد ہے لیکن مقالہ نگار کا انداز، زبان اور اسلوب سو فی صد مناظرانہ ہے۔ ان کے اپنے جذبات، پسند و ناپسند اور فکر کتاب کے لفظ لفظ سے ٹپک رہے ہیں۔ غلام احمد پرویز کو وہ دین کے حصار میں بند کر کے ہر جگہ نام کے بجائے ”منکر قرآن“ لکھا ہے۔ یہ تضحیک کسی طور پر بھی تحقیق کو گوارا نہیں ہوتی۔ اس تحقیقی مقالے کے کچھ عنوانات بھی ملاحظہ فرمایئے جس سے مقالہ نگار کے نفسیاتی اور ذہنی خلجان کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''جھوٹ سو فی صد جھوٹ''....... ''سوال گندم جواب چنا''...... ''اخلاقی نامردی''......''پرویز کی حیلے''......
''منکر قرآن کا دوزخانہ''...... ''منکر قرآن کی چال بازی''...... ''علی گڑھ سیلاب مغربیت کا دروازہ''
...... ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا''...... ''خارزار تضادات پرویز''...... ''زعماء مسلم لیگ کی جان کو
دوگونہ عذاب''...... ''ایک عذر لنگ کا سہارا''...... ''منکر قرآن کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری''......
''منکر قرآن کی سخن سازی''......اور ''منکر قرآن کا خاصہ مزاج''

اعلیٰ علمی جامعاتی تحقیق کے لئے نہ تو یہ اسلوب ہے اور نہ ہی اس کی اجازت۔ جناب مقالہ نگار شدت جذبات میں اپنی زبان نامناسب حد تک لے جاتے ہیں۔ مثال ملاحظہ کیجیے:

''وہ اس تلخی اور غلاظت کے ساتھ برستے ہیں کہ عام قاری بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ شاید ان کے منہ میں زبان نہیں بلکہ بچھو کا ڈنک ہے'' (ص ۶۸۲۔ جلد دوم)

مقالہ نگار کا پست زبان سے اپنے ذہن اور زبان کو آلودہ کرنا بھی ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اسے اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ انسان کے اندر وہبی طور پر موجود ذوق سلیم اور اخلاقی تربیت انسانی مزاج اور طرز فکر کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔ پڑھے لکھے اور باشعور آدمی کا طرز کلام وہ نہیں ہوتا جو ان صفات سے عاری لوگوں کا ہوتا ہے۔ ایک عام آدمی کوئی غیر معیاری لفظ بڑی بے نیازی کے ساتھ اپنی زبان سے نکال سکتا ہے مگر ایک مہذب آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔

''حرف آخر......خلاصۂ مقالہ'' میں رقم طراز ہیں:

''وہ نہ تو صحت عقائد اور سلامتی فکر ہی کا حامل ہے اور نہ تقویٰ و دیانت کا جوہر اس کے طرز عمل میں پایا جاتا ہے'' (ص ۷۰۵۔ جلد دوم)

مقالہ نگار نے غلام احمد پرویز کے لئے ''عقائد فاسدہ''، ''افکار زائغہ''، ''تلون مزاج''، ''غیر متوازن شخصیت'' اور ''کبر نفس کا شکار'' جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مانا کہ غلام احمد پرویز اپنے افکار کی بدولت ایک طبقے کے نزدیک ناپسندیدہ شخصیت ہیں لیکن اس کے باوصف مقالہ نگار کو مناظر کے بجائے محقق کا لب ولہجہ اپنانا چاہیے تھا۔ غصہ، تعصب اور نفرت کے اظہار سے قابل قدر تحقیقی کام بھی مشکوک اور محل نظر بن جاتا ہے۔

اس تحقیقی منصوبے میں مقالہ نگار کی شخصیت اور فکر کا ایک انتہائی خطرناک بلکہ خوف ناک پہلو عیاں ہوتا ہے۔ مسلکی تعصبات اور عدم رواداری کے رویے مقالہ نگار کی نفسیاتی بیماری اور ذہنی خلفشار کو طشت ازبام کرتے ہیں۔ وہ فقہی تقلید کے سخت خلاف ہے لیکن شدت جذبات میں وہ آئمہ کبار اور مغربی منکرین کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے ان سے اظہار بیزاری کرتا ہے:

''قارئین کی نگاہیں خود دیکھ لیں گی کہ مقالہ نویس جس طرح امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام داؤد ظاہری اور سفیان ثوری وغیرہم کی تقلید سے بیزار ہے بالکل اسی طرح وہ کارل مارکس، لینن، ہیگل، ڈارون اور برگساں جیسے ملاحدہ کی تقلید سے بھی سخت بیزار ہے'' (ص ۳۱۔ جلد اول)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس جملے کی ترکیب سے مذکورہ آئمہ کبار بھی الحاد کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ خاکم بدہن اس سے تو مقالہ نگار کی دریدہ دہنی ثابت ہوتی ہے۔

مقالہ نگار نے غلام احمد پرویز کو دیانت داری سے پورٹریٹ نہیں کیا۔ جناب غلام احمد پرویز کو کافر، مرتد اور متنبی (جھوٹا نبی) قرار دے کر مقالہ نگار نے نہ تو احتیاط کے تقاضے نبھائے ہیں اور نہ ہی علمی و تحقیقی رویے کی پاس داری کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ جناب پرویز کو فکری اعتبار سے گمراہ قرار دیا جا سکتا ہے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ فنی اعتبار سے اس کتاب کا جائزہ لیا جائے تو یہ اور کرانا ضروری ہے کہ جامعاتی سطح پر ایجاز و اختصار تحقیق کا جوہر ہوتا ہے۔ مصنف ایجاز و اختصار کے ہنر اور تحقیقی مواد کے حسنِ استعمال کے فن سے متصف نہیں ہے۔ دست یاب ہونے والے سبھی مواد کو اختصار اور سلیقے کے بغیر دو ضخیم جلدوں میں بھر دیا ہے۔ تحقیق نگاری میں املائی اغلاط کا عیب تحقیقی معیار کو گرا دیتا ہے۔ اس مقالے میں شروع سے آخر تک اغلاط کے ایسے نمونے اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

© rasailojaraid.com